موجودہ دور میں حدود پر نظر ثانی

اور اس میں شامل ماحولیات کا اعتبار

از: محمد عماد الحق مفتی
معاون ڈاکٹر نصیر اختر
لیکچرر، عثمان انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (ہمدرد یونیورسٹی)

اس سے پہلے کہ ہم ان جرائم اور سزاؤں کا ذکر کریں جو حدود کے زمرے میں آتی ہیں ہمیں حدود کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر بحث کرنی چاہیے۔ لغت میں حدود حد کی جمع ہے جس کے معنی ہیں روکنا، پھیرنا، باز رکھنا، حد جاری کرنا، حد مقرر کرنا[1] یا کسی بھی چیز کی ذاتیات، اور اس ذاتیات کے اندر جو بھی چیزیں داخل ہوں ان کو محدودات کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿تلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه﴾[2]

ترجمہ: یہ اللہ تعالی کے حدود ہیں اور جو ان حدود سے تجاوز کرے گا گویا کہ اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

چنانچہ جاننا چاہیے کہ شرعاً اور اصطلاحاً اس پورے عالم میں جتنے بھی جرائم ہیں ان کی کل

تین سزائیں ہیں۔

(۱) قصاص (۲) حدود (۳) تعزیر

قصاص

قصاص کا مطلب ہے برابری اور اصطلاح شرع میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص بذریعۂ ظلم عمداً کسی مسلم ذمی معاہد انسان کو قتل کر دیتا ہے بغیر کسی وجہ کے تو قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قاتل اسی طریقے سے قتل کیا جائے گا جس طریقے سے مقتول کو قتل کیا گیا ہے بلکہ خون کا بدلہ خون ہو گا۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ خون کا بدلہ خون ہی ہو کیونکہ ایسی صورت کہ جس میں ورثاء میت اگر خون کے بدلے میں تاوان وصول کرنا چاہیں تو ان کو اس بات کا اختیار حاصل ہو گا کہ وہ تاوان وصول کر کے مقتول کو معاف کر دیں۔ یہاں تک کہ اگر تاوان لئے بغیر ہی معاف کرنا چاہیں تو اس کا بھی اختیار حاصل ہو گا۔

اس مندرجہ بالا جرم کے علاوہ وہ تمام جرائم کہ جن کی سزا نصوص میں موجود ہو وہ حدود کہلاتی ہیں۔

تعزیر

ایسے جرائم جن کی سزا میں نصوص قطعیہ موجود نہ ہوں بلکہ حاکم وقت یا موجودہ دور میں جن میں قاضی یا جسٹس اپنی صوابدید پر فیصلہ صادر کرے یا وہ زمانۂ ماضی میں ہونے والے صوابدیدی فیصلے کے مطابق کسی مجرم کو سزا دے تو اس کو تعزیر کہتے ہیں۔ چنانچہ خلاصہ یہ ہوا کہ نصوص سے قصاص وحدود کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ تعزیرات کا۔

چنانچہ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تعزیرات حدود سے بڑھ سکتی ہیں یا نہیں تو میرے خیال میں کہ جہاں اسلامی نظریاتی کونسل اس مسئلہ پر بحث کر رہی ہے کہ موجودہ دور میں حدود پر نظر ثانی کی

جائے وہاں اسلامی نظریاتی کونسل کو یہ بھی چاہیے کہ وہ تعزیرات پر بحث کرے کیونکہ اس دور میں جہاں اخلاقیات کا انحطاط ہے اور عدلیہ کی آزادی مشکوک نظر آتی ہے تو ایسی صورت میں قاضی یا جسٹس کے اختیارات پر بھی نظر ثانی امور واجبہ میں سے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق تعزیرات حدود سے بڑھ سکتے ہیں جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعزیرات حدود سے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

" الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات لايعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبراء لدينه و عرضه ومن وقع في المشتبهات فقد وقع في الحرام۔ الا وان لكل ملك حمى الا وان حمى الله محارمه " [۳]

ترجمہ: حلال بالکل واضح اور حرام بالکل واضح ہیں اور ان کے درمیان امور متشابہات ہیں جن کے بارے میں لوگوں کی اکثریت لاعلم ہے۔ چنانچہ جو متشابہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ رکھا اور جو متشابہات میں واقع ہوا تو وہ یقیناً حرام میں واقع ہوا...... خبردار یہ بات جان لو کہ ہر بادشاہ کے حدود ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کے حدود اسکے محارم ہیں۔

میری رائے ہے کہ اس مندرجہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے حدود اور تعزیرات دونوں پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حلال اور حرام دونوں بالکل واضح ہیں اور ان کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔ چنانچہ محرمات کے ارتکاب پر جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں وہ تو حدود ہی سے متعلق ہوں گی اور قرآنی آیات جن میں جرم کی سزائیں واضح کر دی گئی ہیں وہ بھی حدود سے متعلق ہوں گی آپ ﷺ نے اس کی مثال حدیث بالا میں اس طرح دی کہ جیسے کسی بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے جہاں پر حکومتی جانور چرتے ہیں چنانچہ اگر غیر حکومتی جانور اس کے حدود میں داخل ہو جاتے ہیں تو نوبت جنگ تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ پہلے بادشاہ کے حدود کی خلاف ورزی ہوئی ہے اور وہ جنگ کا یا اس کے خلاف کسی اور قسم کے

اقدامات لینے کا مجاز ہوتا ہے بالکل اسی طرح اللہ تعالی کے حدود اس کے محارم ہیں کہ جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے اگران کی خلاف ورزی کی جائے گی تو اس پر سزا ہوگی اور مجرم کیخلاف اس جرم کی پاداش میں مختلف اقدامات اٹھائے جائیں گے۔

اب ان جرائم میں سے ایک جرم زنا بھی ہے جس کی پاداش میں حدود کے مطابق شادی شدہ کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جاتے ہیں لیکن یہ دونوں سزائیں موقوف ہوتی ہیں اپنے ثبوت پر اور شریعت نے اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ طلب کیے ہیں۔ موجودہ دور میں اگر ہم اس حد پر نظر ثانی کریں تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ اگر اس جرم کے ثبوت میں چار گواہ میسر نہ ہوں لیکن ان چار گواہوں کے علاوہ کسی سائنٹفک طریقے یا جدید آلات کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں شخص نے یہ جرم کیا ہے تو اس پر حد زنا کا نفاذ ہوگا یا نہیں؟

میری رائے اس معاملے میں منفی ہے۔ اس لیے کہ حدود کے نفاذ میں صرف جرم یا نوعیت جرم یا مجرم اور ملزم ہی کا عمل دخل نہیں ہے بلکہ اس میں ماحولیات وقت اور مجبوریاں بھی داخل ہو سکتی ہیں۔ اس پر دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالی کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے دور میں حد سرقہ کو وقتی طور پر ساقط کر دیا تھا تو اس میں ماحولیات اور مجبوری جیسی چیزوں کا بھی اعتبار کیا گیا تھا چنانچہ اگر DNA رپورٹ کسی ملزم کے جرم کو ثابت کر دیتی ہے اور اس صوررت میں چار گواہ بھی موجود نہ ہوں تو اس رپورٹ کی بنیاد پر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حد کا نفاذ عمل میں لایا جانا چاہیے۔ لیکن یہاں پر اصحاب علم کا ایک یہ سوال ہوگا کہ چونکہ یہ حد بذریعۂ قیاس نافذ ہوگی تو مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان علت کا مشترک ہونا ضروری ہے۔

اب چونکہ یہ نفاذِ حد بذریعہ قیاس ہوگی کہ اس دور جدید میں ہم اس حد کو قیاس کریں گے قرن اول میں موقوف یا وقتی طور پر ساقط ہونے والی حد پر چنانچہ یہاں پر چند لوگوں کا اس بارے میں ایک شبہ پایا جاتا ہے اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ شبہ درست ہے یا نہیں لیکن اگر بغور اس کا مطالعہ کیا جائے اور بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت سے بھی کام لیا جائے تو وہ شبہ درست بھی معلوم ہوتا ہے۔

ان حضرات کے خیال میں مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان میں ہر اعتبار سے علت مشترک ہونی چاہیے چنانچہ جب ہم اس مسئلہ زنا کو قیاس کرتے ہیں مسئلۂ سرقہ پر تو مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان میں ہمیں اتحاد نظر نہیں آتا ہے اس لیے کہ حد سرقہ میں قرن اول میں حد کو ساقط کیا گیا ہے جبکہ حد زنا میں ہم حد کو نافذ کرنے کو کہہ رہے ہیں تو مقیس علیہ میں حد کا سقوط پایا جا رہا ہے اور مقیس میں حد کا نفاذ پایا جا رہا ہے اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حد کے سقوط میں احتیاط زیادہ ہے بہ نسبت حد کے نفاذ کے اور حدود تقاضا کرتے احتیاط کا اپنے نفاذ کے وقت۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سائنس نام ہے تحقیق، تجربات، اور مشاہدات کا چنانچہ یہ ہوسکتا ہے کہ آج جو دعویٰ سائنس کا ہو کل اس سے زیادہ دعویٰ ہو اور جو حقائق سائنس آج پیش کر رہی ہے وہ کل کو تبدیل ہو جائیں۔

چنانچہ اس صورت میں ان وجوہات کے پیش نظر ہم نفاذ حد کے بجائے سقوط حد کو ہی ترجیح دیں گے اور چونکہ سائینس کے شمول سے تخلیق پانے والے متغیر اور متبدل نتائج کیوجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے جس بنا پر اب نفاز حد ممکن نہیں رہے گا تو نفاذ تعزیر کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ لیکن جیسا کہ میں اس بحث کی ابتداء میں کہہ چکا ہوں کہ اب یہ ایک الگ نوعیت کی بحث ہے کہ آیا تعزیر حدود سے بڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اپنی جگہ پر ایک سوالیہ نشان ہوگا۔ فقہ کے اصولوں کے مطابق اور مسلک حنفی کے سرخیل امام اعظم ابوحنیفہؒ کے قول اور اجتہاد کے مطابق تو تعزیرات حدود سے بڑھ سکتے ہیں لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعزیرات حدود سے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔ میرے خیال میں موجودہ دور میں اخلاقیات کا انحطاط تقوی کی کمی اور زمہ داریوں سے چشم پوشی، اقربا پروری اور اختیارات کا غلط استعمال ببانگ دہل یہ کہہ رہا ہے کہ تعزیرات حدود سے تجاوز نہیں کرنی چاہئیں اور جج یا جسٹس کے صوابدیدی اختیارات پر ضرور نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اسی طرح میری ناقص اور کوتاہ رائے کہ مطابق جدید فنون اور ٹیکنالوجی کے اسرار ورموز کو شرعی معاملات میں نظر ثانی کر کے مقام اعتبار دیا جانا چاہیے اور ان کو مسائل معتبرات کے قبیل سے گردانتے ہوئے زیر بحث لایا جانا چاہیے۔

زیر نظر بحث میں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ حدود کے نفاذ میں ماحولیات کا عمل دخل ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اگر ہم اسلام کو ایک آفاقی مذہب گردانتے ہیں تو ہمیں اس globalization میں مسالک کی قید سے قدرے آزاد ہونا پڑے گا۔ دنیا میں تیزی سے آنے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں یہ ضروری نہیں کہ حنفی مسلک کی اقتداء واتباع کرنے والے لوگوں کے تمام مسائل کا حل اسی فقہ میں موجود ہو۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ حنفی مسلک کے لوگوں کے چند مسائل کا حل فقہ حنفی میں نہ ہو بلکہ کسی اور مستند فقہ کے اصولوں کے مطابق ہو۔ چنانچہ ایسی صورت میں فقہاء کرام کی ماضی کی رائے پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی کہ **تداخل فی المذاهب** جائز نہیں ہے یعنی ایک شخص اگر حنفی مسلک کی تقلید کر رہا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چند معاملات میں حنفی رہتے ہوئے کسی اور مسلک کی اتباع کرے۔ لیکن موجودہ دور میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ہمیں پھر یہ سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں کہ اگر اسلام ایک آفاقی مذہب ہے تو اس آفاقی مذہب میں یہ قید کیا حیثیت رکھتی ہے کہ جس پر بسا اوقات خود ایک ہی مسلک کے لوگوں کا عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ میں اس پر ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔

تمثیل

صورت مسئلہ:

فقہ حنفی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ ایک عاقل اور بالغ لڑکا یا لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں اور وہ اس نکاح کے انعقاد میں وہ کسی ولی کے محتاج نہیں ہوں گے لیکن باقی ائمہ کرام کے نزدیک نکاح کے انعقاد کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے اور یہ حضرات حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث ذکر کرتے ہیں کہ " **ایما امرئة نکحت نفسها بغیر اذن ولیهافنکاحها باطل باطل باطل**"۔ [۲]

ترجمہ: جس کسی خاتون نے اپنا نکاح بغیر ولی کی اجازت سے خود کروالیا تو وہ نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔

اعتبار ماحول

جب ہم اس مسئلے کو ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں دیکھتے ہیں تو پاکستان کے وہ شہر جہاں پر تعلیمی رجحان زیادہ پایا جاتا ہے اگر کسی جسٹس کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہوگا تو اس کا جواب حنفی مسلک کے اعتبار سے اثبات میں ہوگا کیونکہ ان تمام بڑے شہروں میں اس ماحول کو برا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم اسی قاضی یا جسٹس سے اس مسئلے کی بابت کوئی فیصلہ دریافت کرنا چاہیں گے جو کہ مسلک کے اعتبار سے تو حنفی ہی ہوگا لیکن کسی ایسے قریہ اور شہر میں ہوگا کہ جہاں اس آزادی کو برا اور معیوب سمجھا جاتا ہوگا تو باوجودیکہ وہ قاضی حنفی ہوگا لیکن وہ حنفی مسلک پر کبھی بھی اپنا فیصلہ صادر نہیں کرے گا۔ کیونکہ ایسی صورت میں جہاں لڑکا اور لڑکی خطرے میں ہیں وہاں اس عمل کی تائید کرنے والا بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھے گا اور ان علاقوں کی مثال جیسے ہمارے صوبہ سرحد کے علاقے اور پاکستان کے قبائلی علاقے ہیں۔

اب اگر ہم ریاست سے باہر نکل کر اسی اسلام کو امریکہ یا یورپ کے ممالک میں پیش کریں گے تو ان کے لیے قابل قبول فیصلہ ائمہ ثلاثہ کا نہیں ہوگا بلکہ احناف کا ہوگا کیونکہ ان کے ماحول میں عاقل بالغ کی رائے اور ان کے فیصلوں کا اعتبار پایا جاتا ہے اور شریعت کا یہ حکم انکے ماحول سے مطابقت بھی رکھتا ہوگا۔

بنابریں میری رائے زیر نظر مضمون میں یہ ہوگی کہ جہاں حدود کے نفاذ میں ماحولیات اور جدید علوم کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے وہاں اسی طرح حدود کے نفاذ کے وقت مقاصد حدود (مقاصد شریعت) کو بھی مدنظر رکھنا امور واجبہ میں سے ہوگا۔

مقاصد حدود اور مقاصد شریعت

شریعت مطہرہ میں اصل مقاصد ہیں نہ کہ وہ ذرائع کہ جن کے ذریعے سے مقاصد کا حصول ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ذرائع اسلام نے ہمیں بتلائے ہیں ان سے مقاصد کا حصول یقینی ہے لیکن جب ان ذرائع کا اختلاط ماحول سے ہوگا تو صرف حدود میں تبدیلی ہی نہیں

آ ئے گی بلکہ ذرائع میں بھی تبدیلی آ سکتی ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے جسم کے ایک محترم حصے 'سر' کو زمین پر رکھتا ہے تو مقصد یہ نہیں ہیکہ اس کی عبادت کا جو مقصد تھا وہ فرض عبادت کی ادائیگی کی صورت میں ادا ہوگیا کیونکہ شرعیت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے سر کو صرف زمین پر رکھ دے بلکہ سر زمین پر رکھوانے کا مقصد انسان کے اندر موجود تکبر اور غرور کو ختم کرنا ہے کہ انسان اس بات کا اعتراف کرلے کہ کوئی ذات ایسی موجود ہے کہ جو تکبر اور غرور کے لائق ہے۔اسی طرح پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اگر کسی انسان میں تکبر اور غرور پایا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شریعت کا اس حکم سے جو مقصد تھا وہ حاصل نہ ہوا۔بالکل اسی طرح شریعت نے جو حدود مقرر کیں ہیں اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھ کاٹے جائیں اور لوگوں کو سنگسار کیا جائے اور لوگوں کو کوڑے مارے جائیں بلکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں ظلم، ناانصافی اور جرائم کو کم کیا جائے یعنی اگر حدود سے بڑھ کر تعزیرات کے ذریعے بھی ان جرائم کو کم کیا جاسکتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ حدود پر نظر ثانی کی جائے اور خصوصا ماحولیات، مقاصد اور جدید علوم وفنون کو مدنظر رکھا جائے۔

ماحولیات کے اثرات اور عمومی وخصوصی عوارضات

جب ہم بات کرتے ہیں ماحولیات کی تو ماحولیات کے کچھ دائمی اثرات ہوتے ہیں اور کچھ عارضی اثرات ہوتے ہیں چنانچہ ہم نے جو حضرت عمر کے اس فیصلے کو دیکھا کہ جہاں پر انہوں نے حد سرقہ کے نفاذ کو موقوف کردیا تھا تو یہ سقوط حد اس وقت کے ماحول کے اعتبار سے تھی اور معاشرے کی وہ حالت عارضی تھی نہ کہ دائمی چنانچہ یہ ماحول کے اثرات کی وہ مثال تھی کہ جس میں عارضی وجوہات

کی بناء پر حد کو موقوف کر دیا گیا۔

باب لا قطع فی عام مجاعة (یہ باب ہے اس کے بیان میں کہ قحط سالی کے زمانے میں قطع ید نہیں ہوگا)

قال المئولف : دلالة الاحادیث علی الباب ظاهرة ، وفی ۔ الدر المختار : وفی ایام قحط ۔ [۵]

ترجمہ: مولف کہتے ہیں کہ اس باب پر احادیث کی دلالت بالکل واضح ہے اور در مختار میں لکھا ہے قحط کے زمانے میں ۔ اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے مشکواۃ کی شرح مرقاۃ میں فرمایا:

والقطع فی الحنطة وغیرها اجماعا انما هو فی غیر سنة القحط اما فیها فلاسواء کان مما یتسارع الیه الفساد او لا لانه عن ضرورة ظاهرا وهی تبیح التناول وعنه علیه الصلاة والسلام لا قطع فی مجاعة مضطر وعن عمر لا قطع فی عام سنة " [۶]

ترجمہ: کہ گندم اور اسکے علاوہ میں قطع ید کا ثبوت ہے بذریعہ اجماع لیکن یہ ثبوت اس وقت ہیکہ جب قحط سالی کا زمانہ نہ ہو لیکن اگر قحط سالی کا زمانہ ہو تو پھر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا چاہے یہ امر مفضی ہو فساد کی طرف یا نہ ہو .اس لئے کہ یہ ایک اضطراری کیفیت ہے اور یہ اضطراری کیفیت بقدر ضرورت غیر کے مال کو مباح کر دیتی ہے .اور آپ ﷺ سے منقول ہے کہ بھوک کی حالت میں اضطراری کیفیت میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہیکہ قحط سالی کے زمانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا.

باب لا یقطع سارق الطعام فی عام السنة (یہ باب ہے اس کے بیان میں کہ قحط سالی کے زمانے میں کھانے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)

واخرج : بطریق عبد الرزاق عن معمر عن یحیی بن ابی کثیر ، قال

: قـال عـمر بن الـخطاب : لا تقطع فی عذق ولا فی عـام السنة . وبه الی معمر عـن ابان : ان رجلاً جاء الی عمر بن الخطاب فی ناقة نـحرت ، فقال له عمر : هل لك فـی ناقتین عشراوین مرتعتین سمینین بناقتك ؟ فانا لا نقطع فی عا م السنة ، والمرتعتان المو طا تان " ے

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشاد ہے کہ قحط سالی کے زمانہ میں کھجور کے خوشے کی چوری پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا نیز قحط سالی کے زمانہ میں مطلقاً قطع ید نہیں ہوگا۔

حضرت ابان سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اپنی اونٹنی کے بارے میں گفتگو کرنے کیلئے کہ ان دو لوگوں نے ایک اونٹنی زبح کر لی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اپنی اونٹنی کے عوض میں دو موٹی حاملہ اونٹنیاں لینا پسند کرو گے؟ کیونکہ ہم قحط سالی کے ایام میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹتے ہیں۔

وقيـل الـمراد لا قطع فی عام السنة وهی زمان القحط ۔ لانّ الضرورة تبيـح التـنـاول مـن مـال الغير بقدر الـحاجة فيمنع ذلك وجوب القطع لما روی عن مكحـول رضی الله عنه انّ النبی ﷺ قال لا قطع فی مجاعة مضطر وذكر عن الحسن عن رجل قال رأيت رجلين مكتوفين ولحما فذهبت معهم الی عمر رضـی الـلـه عـنه فقال صاحب اللّحم كانت لنا ناقة عشراء ننتظرها كما ينتظر الـربيـع فـوجدت هذين قد اجتذ راها فقال عمر رضی الله عنه هل يرضيك من نـاقتك نـاقتـان عشـرا وان مـربعتان فانا لا نقطع فی العذق ولا فی عام السنة وكـان ذلك فـی عـام الســنة والـعشـراء هـی الـحامل التی أتی عليها عشرة اشهر وقـرب ولادتهـا فهی اشذ ما يكون عند اهلها ينتظرون الـخصب والسعة بلبنها كـمـا يـنتـظرون الربيع وقوله فانا لا نقطع فی العذق منهم من يروی فی العرق وهـو الـلـحـم والاشهـر الـعـذق وهـو الـكبـاسة ومـعـناه لا قطع فی عام السنة

للضرورة والمخمصة وقد كان عمر رضى الله عنه فى عام السنة يضم الى اهل كل بيت اهل بيت آخر ويقول ان يهلك الناس على انصاف بطونهم فكيف نأمر بالقطع فى ذلك۔

ترجمہ: (علامہ سرخسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں) کہ قحط سالی کے زمانے میں چور کے ہاتھ نہ کاٹنے کی وجہ یہ ہیکہ کہ مجبوری میں دوسرے کے مال کو بقدر ضرورت مباح کے درجے میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور اسکی وجہ سے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہ ضرورت وجوب قطع ید کے لئے مانع ہوگی اسکی دلیل یہ ہیکہ حضرت مکحول رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا حالت اضطراری میں شدت بھوک کیوجہ سے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت حسن بصری کے واسطے سے منقول ہیکہ ایک آدمی نے کہا کہ میں نے دو آدمیوں کو گوشت اٹھائے دیکھا تو میں انکو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں لے گیا، اونٹنی والے نے کہا کہ ہماری ایک اونٹنی حاملہ تھی اور ہم اسکے بچہ جننے کے منتظر تھے جیسا کہ لوگ موسم بہار کے منتظر ہوتے ہیں، میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ دونوں نے میری اونٹنی ذبح کر ڈالی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم اپنی اونٹنی کے عوض میں دو موٹی حاملہ اونٹنیاں لینا پسند کرو گے؟ کیونکہ ہم قحط سالی کے ایام میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹتے ہیں۔

(اور عشرا اس حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جو بچہ جننے کے قریب ہو اور یہ بہت خوشی کی گھڑی ہوتی ہے صاحب مال کے لئے بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص موسم ربیع کا انتظار کرتا ہے اور راوی کا یہ نقل کرنا کہ ہم ہاتھ نہیں کاٹتے قحط سالی میں اس مقام پر **عذق** کی جگہ **عرق** کا لفظ بھی آیا ہے لیکن مشہور **عذق** یعنی قحط سالی ہی ہے۔ اور اس کا معنی ہیکہ چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے قحط سالی کے زمانہ میں بوجہ حالت اضطراری میں ہونے کے اور بوجہ مخمصہ کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط سالی کے زمانے میں دو گھروں کو آپس میں ملا لیا اور وہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو ہلاک ہونے نہیں دیں گے بھوک کیوجہ سے۔ پھر کس طرح ہم حکم کریں اس قحط سالی میں ان کے ہاتھ کاٹنے کا).

میں یہ کہتا ہوں لیکن اس سے یہ بالکل بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آئندہ حد میں تبدیلی کے لیے

اسی عارض کا ہونا ضروری ہے جو کہ حضرت عمر کے دور میں تھا۔ ہاں یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اگر عارض ایسا ہو کہ جو عمومی طور پر کسی معاشرے کو نقصان میں مبتلا کر رہا ہو تو اس عارض کو قبول کیا جا سکتا ہے بالفاظ دیگر عارض اس وقت قبول کیا جائے گا جب عارض سے عمومی طور پر امت کو فائدہ ہو رہا ہو نہ کہ خصوصی طور پر کسی فرد کو۔

کبھی عمومی عوارضات کے نہ ہونے کی صورت میں بھی حد کے نفاذ میں نرمی کا معاملہ

اسی طرح جب ہم بات کرتے ہیں مقاصد شریعت کی اور مقاصد حدود کی تو ہم دیکھتے ہیں کہ ﷺ کی زندگی میں ایک صحابی آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور خود اس بات کا اقرار کیا کہ میں نے زنا کیا ہے اور مجھ پر حد صادر کی جائے تو آپ ﷺ نے فوراً حد صادر نہیں کی بلکہ جواباً یہ کہا کہ نہیں آپ نے زنا نہیں کیا ہوگا چنانچہ صحابی اپنے جرم کی تکرار کرتے چلے گئے اور آپ ﷺ بھی اپنے جواب کی تکرار کرتے چلے گئے اور آخر وقت تک یہ کوشش کی کہ ہوسکتا ہے کہ ان کی زبان سے کوئی متضاد جملہ صادر ہو جائے اور ان پر حد قائم نہ ہو کیونکہ متضاد جملے کے وقوع سے بیان مشکوک ہو جائے گا اور ان کو فائدہ شبہ کا مل جائے گا۔ اس لئے کہ شریعت کا یہ قانون ہے کہ

"الحدود تندرء بالشبهات"

ترجمہ: شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتے ہیں۔

شبہات حدود کو ساقط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر شریعت کا مقصد صرف اور صرف لوگوں کو سنگسار کرنا ہوتا تو آپ ﷺ قطعاً اتنے سوالات نہ کرتے۔ اسی طرح جب ہم مقاصد شریعت کی بات کرتے ہیں تو ان مقاصد کا حصول کبھی جائز حیلوں کی بدولت بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب ان مقاصد کے حصول میں حیلہ اختیار کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت کا اصل مقصد حدود کے باب میں صرف حدود کا نفاذ نہیں ہے بلکہ جرائم کی تعداد کو روکنا ہے اور ان کا سد باب کرنا ہے۔

چنانچہ ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ شریعت کا مقصد حدود کے نفاذ میں کیا ہے یعنی صرف حد کا نافذ کرنا نہیں ہے بلکہ جرائم کو کنٹرول کرنا ہے۔ پھر اس ماحول میں میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم کا بھی عمل دخل ہونا چاہیے کیونکہ کبھی ایک طبقہ کوئی جرم تو کرتا ہے اور کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ اس کی معلومات کا نہ ہونا ہوتا ہے یا اس کی معلومات کا ناقص ہونا ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے پہلو کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تعلیم و تربیت کے ہی اثرات ہوتے ہیں کہ ایک طرف تو کتا ایک نجس جانور ہے لیکن اگر تربیت یافتہ ہے تو اس کا لایا ہوا شکار کھانا درست اور جائز ہوتا ہے۔ اس ضمن میں میڈیا کا کردار بہت اہم ہو جائے گا کہ وہ اپنے معاشرے کے لوگوں کو باخبر رکھیں اور معاشرے کے لوگ لاعلم نہ ہوں کہ کس گناہ کے ارتکاب میں انہیں کیا سزا دی جا سکتی ہے۔ پھر حدود کے نفاذ میں عموم بلویٰ بھی معتبر ہونا چاہیے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میری یہ رائے درست ہے یا نہیں لیکن میرا یہ گمان ہے کہ صحبت کے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ پہلو ہے کہ جس کو آپ ﷺ نے بھی نظر انداز نہیں فرمایا کہ ایک بلی جیسا جانور جو کہ گوشت خور ہے لیکن اس کا گھروں میں اتنی کثرت سے آنا جانا تھا کہ اس کے جھوٹے سے بچنا ناممکن تھا تو آپ ﷺ نے عمومی بلوی کو دیکھتے ہوئے یہ حکم صادر فرمایا کہ بلی کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے کیونکہ اگر بلی کے جھوٹے کو ناپاک قرار دے دیا جائے تو اس میں امت کے لیے حرج تھا اور یہ تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو ایک ایسی چیز سے بچنے کا حکم دے رہے ہیں کہ جس سے بچنا بندے کے لیے ناممکن ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ اللہ اپنے بندے کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ہیں۔ معاً اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحبت کے اثرات بھی ہوتے ہیں کہ بلی ایک گوشت خور جانور ہے لیکن انسانوں میں اس کا کثرت سے آنا جانا اس کی عادات و اطوار کو بھی بدل رہا ہے اور اس کے باوجود گوشت خور ہونے کے تمام خصلتیں گوشت خوروں والی موجود نہیں ہیں۔

چنانچہ بعض مقامات پر آپ ﷺ نے حدود کے نفاذ میں سختی فرمائی اور بعض مقامات پر آپ ﷺ نے حدود کے نفاذ میں نرمی فرمائی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ عادی مجرموں کے باب میں

آپ ﷺ نے حد کے نفاذ میں کبھی بھی نرمی نہیں کی لیکن غیر عادی حضرات کے بارے میں حدود کے نفاذ میں آپ ﷺ نے یقیناً نرمی فرمائی ہے یا اس نرمی کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کیونکہ ہم یہ بحث کر چکے ہیں کہ اصل شریعت میں احکامات نہیں ہیں بلکہ اصل مقاصد شریعت کا حصول ہے۔ اور چونکہ سزا کا مطلب کسی کو سدھارنا ہوتا ہے اور عادی مجرم سدھرنے کے لیے راضی نہیں ہے تو اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ یقیناً بے سود ہوگا جبکہ ایسا شخص کہ جس سے حادثاتی طور پر کوئی گناہ سرزد ہو چکا ہے اور وہ عادی مجرم نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ استغفار کرے اور یوں اپنے رب سے اپنے آپکو معاف کروالے۔ اس لیے کہ اصل گناہ کے سرزد ہونے کے بعد اس میں پردہ پوشی ہے نہ کہ اظہار اور یہ بھی اس وقت ہوگا کہ جب جانبین کی رضامندی سے گناہ سرزد ہوا ہو لیکن اگر یہ گناہ ظلماً سرزد ہوا ہو تو اس صورت میں مظلوم کو اس کے اظہار کا حق ہوگا بلکہ اس کا اظہار ضروری ہوگا تاکہ ظالم کو کیفر کردار تک پہنچایا جا سکے۔ اب میں اس مقام پر عادی و غیر عادی مجرموں کی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عادی مجرم کی مثال،

عن عائشه انَّ قریشاً اهمهم شان المرة المخزومیة التی سرقت فقالو امن یکلم فیها رسول الله ﷺ فقالو ومن یجتری علیه الاسامة بن زید حبّ رسول الله ﷺ فکلمه اسامة فقال رسول الله ﷺ اتشفع فی حدمن حدود الله ثم قام فاخطب ثم قال انّما اهلك الذین قبلکم انهم کانوازاسرق فیهم الشریف ترکوه وازا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحد وایم اللّٰه لو انَّ فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها "

وفی رو ایةلمسلم قالت کانت امرء ة مخزومیة تستعیر المتاع وتجحده فامرا لنَّبی ﷺ بقطع یدها فاتی اهلها اسامة فکلموه فکلم رسول الله ﷺ فیها ثم ذکر الحدیث بنحوماتقدم (مشکوة ص ۳۱٤)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قریشی صحابہ ایک مخزومی عورت کے بارے میں بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی اور حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا ان قریشی صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمے میں کون آپ ﷺ سے گفتگو کر سکتا ہے اور پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت اسامہ بن زید سے رسول ﷺ کو بہت محبت وتعلق ہے اس لیے اس بارے میں آپ سے کچھ کہنے کی جرات اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ حضرت اسامہ نے آپ ﷺ سے گفتگو کی رسول نے فرمایا تم اللہ کے حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو اور پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا ان میں سے اگر کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور ان میں سے کوئی کمزور چوری کرتا تو وہ اس کو سزا دیتے۔ قسم ہے خدا کی اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے روایت کی کہ ایک مخزومی عورت کی یہ عادت تھی کہ وہ لوگوں سے عاریتاً کوئی چیز لیتی تھی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی چنانچہ نبی نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ جب اس عورت کے اعزاء حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی اور پھر حضرت اسامہؓ نے آنحضرت سے اس کے متعلق عرض کیا۔ اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ مذکور ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کیے گئے۔

چنانچہ میرا موقف اس حدیث سے بالکل واضح ہے۔

۱۔ مخزومیہ قبیلہ کی عورت نے چوری کی تھی اور یہ چوری مالی طور پر اس کی مجبوری نہ تھی۔ اور نہ ہی وہ قحط سالی اور فقر وفاقہ کا شکار تھی

۲۔ حد کے نفاذ میں حائل عارض اس کے بڑے قبیلے سے تعلق ہونا تھا نہ کہ اس کا مجبور ہونا۔ اور یہ عارض انفرادی ہے جو قابل قبول نہیں۔

۳۔ یہ عورت عادی مجرم تھی جس کا مسلم شریف میں اس روایت پر چند الفاظ کا اضافہ ہے کہ یہ عوررت لوگوں سے عام استعمال کی چیز عاریتاً لیا کرتی تھی اور پھران کو واپس نہ کرتی تھی کیونکہ لوگ عام استعمال کی چیز اگر کسی کو دیتے ہیں تو عموماً بھول جاتے ہیں۔

۴۔ حد کے نفاذ سے قبل سفارش کی جا سکتی ہے نہ کہ حد کے نفاذ کے بعد۔ اس لیے کہ حد کے نفاذ سے پہلے وہ بندہ کا حق ہوتا ہے اور حد کے نفاذ کے بعد وہ اللہ کا حق ہو جاتا ہے۔

وہ مقام جہاں انفرادی عارض حد کو موخر کر دیتا ہے یا بسا اوقات حد کو ساقط کر دیتا ہے

ا۔ چند مقامات ایسے ہیں کہ جہاں پر انفرادی عارض حد کو موخر کر دیتا ہے۔

(فصل) ولا تقطع فی شدّۃ حر ولا برد لانّ الزّمان ربما اعان علی قتله والغرض الزجر دون القتل۔

ترجمہ: اور نہ ہی ہاتھ کاٹے جائیں گے سخت گرمی اور سخت سردی کے زمانے میں کیونکہ کبھی کبھی یہ سبب بن جاتا ہے قتل کا اور (شریعت کا) مقصد سزا دینا ہے نہ کہ قتل کرنا ہے۔

یعنی اگر کسی سارق یا سارقہ کو قطع ید کی سزا سنائی گئی اور موسم ایسا ہیکہ کہ جس میں تکلیف زیادہ بڑھ سکتی ہے بہ نسبت عام موسم کے تو اس سلسلہ میں حد کے نفاز میں تاخیر ہوگی کیونکہ مقصد اسکا صرف ہاتھ کاٹنا ہے لیکن اگر موسم کیوجہ سے اسکا زخم خراب ہو گیا اور نوبت اسکے مرنے تک آ گئی تو اس صورت میں یہ سزا اسکے جرم سے زیادہ ہوگی جو کہ شریعت کا مقصود نہیں ہے۔

(فصل) ولا تقطع حامل حال حملها ولا بعد وضعها حتی ینقضی نفاسها لئلا یقضی تلفها و تلف ولدها"

ترجمہ: اور نہ ہی ہاتھ کاٹے جائیں گے حاملہ عورت کے وضع حمل سے پہلے اور نہ ہی وضع

حمل کے بعد یہاں تک کے وہ اپنی نفاس کی مدت مکمل کر لے تا کہ یہ سزا سبب نہ بن جائے اسکے اور اسکے بچہ کی ہلاکت کا یعنی اگر ایسی عورت کو قطع ید کی سزا سنائی گئی ہے کہ جو حاملہ ہے تو اس پر اسوقت تک حد نافذ نہیں کی جائے گی جب تک وہ حاملہ ہو اور وضع حمل کے بعد بھی نفاس تک سزا میں تاخیر ہوگی کیونکہ اس میں اسکی جان جانے کا خطرہ ہے یا اسکے شکم میں موجود ایک نفس کے ضایع ہونے کا خطرہ ہے۔

"ولا يقطع مريض في مرضه ...."

ترجمہ: اور نہ ہی کاٹے جائیں گے مریض کے ہاتھ اسکی حالت مرض میں

یعنی اگر قطع ید کسی مریض کے بارے میں ہے تو اس صورت میں بھی وہ حد اس وقت تک نافذ نہ ہوگی کہ جب تک وہ مریض صحت یاب نہ ہو جائے اور اسمیں بھی نکتہ وہی ہے جو ما قبل مذکور تھا کہ نوبت اس حد کے نفاذ سے اسکی جان کی ہلاکت تک نہ آ جائے۔

ان مندرجہ بالا تین مثالوں کی روشنی میں، میں یہ کہتا ہوں کہ کبھی ملزم کا عارض انفرادی ہوگا لیکن حد صرف موخر ہی نہیں ہوگی بلکہ ساقط کی جائے گی اسلئے کہ فی زمانہ کچھ امراض ایسے ہیں کہ جن میں حد صرف موخر ہی نہیں کی جائے گی بلکہ ساقط کی جائے گی۔ جیسے شوگر کا مریض، اگر شوگر کا مریض چوری میں ملوث پایا جائے تو مندرجہ بالا جزئیات کی روشنی میں میرا عندیہ یہ ہوگا کہ اس پر حد سرقہ نافذ نہ ہو کیونکہ یہ ایک ایسا مرض ہیکہ کہ اس میں معمولی سے زخم سے بھی اجتناب برتنے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر اس صورت میں اس پر حد سرقہ ساقط کر دی جائے تو زخم مندمل نہ ہونے کی صورت میں اسکی ہلاکت کا خدشہ موجود ہے جو کہ شریعت میں مقصود نہیں ہے۔

نتیجہ: چنانچہ وہ تمام صورتیں جہاں حد کا نفاذ ممکن نہیں ہو رہا ہے باوجود یکہ جرم ثابت ہو چکا ہے تو ہم حدود سے تعزیرات کی طرف آئیں گے۔

غیر عادی مجرم کی مثال

مثال نمبرا

عن ابی هریرةؓ قال اتی النبی ﷺ رجل وهو فی المسجد فناداه یارسول اللّٰه انی زنیت فاعرض عنه النبی ﷺ فتنحی لشق وجه الذی اعرض قبله فقال انی زنیت فاعرض عنه ﷺ فلما شهد اربع شهادات دعاه النبی ﷺ فقال ابک جنون قال لا فقال احصنت قال نعم یا رسول الله قال ازهبوا به فارجموه"۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص آیا جبکہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے تو اس شخص نے آواز دی کہ یارسول ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے آپ نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت میں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کے سامنے آ کھڑا ہوا جدھر آپ ﷺ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے آپ ﷺ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا یہاں تک کہ جب اس نے چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو حضور ﷺ نے اس کو بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا نہیں پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تو محصن ہے؟ اس نے کہا ہاں یارسول اللہ اس کے بعد آ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور سنگسار کردو۔

حدیث فی الباب سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ا۔ ماعز اسلمیؓ زنا کے عادی نہ تھے اس لیے جب ان سے یہ گناہ سرزد ہوا تو انہیں بعد میں بہت شرمندگی ہوئی اور انہوں نے اپنے ضمیر کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ وہ اگر عادی مجرم ہوتے تو کبھی بھی اپنے گناہ کا اظہار و اعلان نہ کرتے۔

۲۔ آپ ﷺ نے بارہا یہ کوشش کی کہ وہ حد سے بچ جائیں اور توبہ استغفار کریں اور اس توبہ استغفار کی مزید تفصیل مثال نمبر ۲ میں عنقریب آ رہی ہے اسی لیے آپ ﷺ نے ان سے مختلف سوالات کئے اور ان سوالات کے مقاصد مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں۔

(الف) اس بات کی تحقیق کر لینا کہ اس گناہ کے ارتکاب سے پہلے اسے اس گناہ کی پاداش میں ملنے والی سزا کے بارے میں معلوم تھا یا نہیں۔

(ب) آپ ﷺ کا پوچھنا کہ کیا تم پر دیوانگی طاری ہوگئی ہے یعنی اس بات کی طرف اشارہ کرنا کہ حدود کے نفاذ کے معاملے میں تحقیق کی کیا اہمیت اور کتنی اہمیت ہے۔

(ج) بار بار اس شخص سے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بار بار جواب دینے میں ان کے بیانات میں اگر تضاد پایا جائے تو اسے شبہ کا فائدہ دیا جائے اور حد نافذ نہ کی جائے۔

(د) بار بار سوالات کا مقصد انہیں یہ احساس دلانا تھا کہ اصل توبہ تھا کہ وہ اس گناہ کا اعلان نہ کرتے اور اللہ سے توبہ واستغفار کرتے شاید وہ تمہیں معاف کر دیتا۔ اور آئندہ کے لیے تم ہر برائی سے بچنے کا پختہ عزم کر لیتے چہ جائے کہ تم اپنی جان کی ہلاکت کی کوشش کر رہے ہو۔

مثال نمبر ۲

ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ زنا کی تفصیل

وعن یزید بن نعیم عن ابیه ان ماعزا اتی النَّبی ﷺ فاقرَّ عنده اربع مرات فامر برجمه وقال لهزال ولوسترته بثوبك كان خيرا لك قال ابن المنكدر

ان هزا لا امر ماعزا ان یاتی النبی صلی ﷺ فیخبره"۔

ترجمہ: حضرت یزید بن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو سنگسار کرنے کا حکم دیا نیز آپ ﷺ نے ہزال سے فرمایا کہ اگر تم ماعز کو اپنے کپڑے سے چھپا لیتے (یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو ظاہر نہ کرتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا ابن المنکد رکہتے ہیں کہ ہزال ہی نے معاز سے کہا تھا کہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کو اپنے واقعہ سے آگاہ کردیں۔

اہم نکات

☆ علماء کے رائے اس میں یہ ہے کہ ماعزؓ کا بھاگنا ان کے اقرار سے رجوع ہوسکتا ہے۔ جس کی طرف آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ تم نے انہیں چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ لیکن میں اس مقام پر چند اضافات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

۱۔ ماعز اسلمیؓ اپنے گناہ پر اس لیے بہت شرمندہ ہیں کہ وہ اس گناہ کے عادی نہ تھے بلکہ بنا بر بشریت ان سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا۔

۲۔ اصل گناہ کے بعد توبہ ہے ایسے مجرم کے لیے جو توبہ کا ارادہ رکھتا ہو اور غیر عادی ہو۔ اس لیے کہ آپ ﷺ سے جب ماعز اسلمیؓ کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے کہ جب ان کو سنگسار کیا جارہا تھا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "**هلا ترکتموه لعله ، ان یتوب فیتوب الله علیه** کہ تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتے اور اللہ تعالی ان کی توبہ قبول کر کے سنگساری کے بغیر ہی اس کے گناہ معاف کر دیتے۔

۳۔ گناہ کے بعد اصل نفاذ حد نہیں ہے بلکہ پردہ پوشی ہے لیکن اگر گناہ ظاہر ہو جائے تو پھر حد فرع ہو گا۔

ان مندرجہ بالا دو مثالوں میں جن میں غیر عادی مجرموں کا تذکرہ ہے آپ ﷺ نے ایک اصول کی وضاحت کر دی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

اصول: جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمان کو حد سے بچاؤ۔

وعن عائشه قالت قال رسول ﷺ ادروالحدود عن المسلمين مااستطعتم فان كان له مخرج فخلو سبيله فان الامام ان يخطى فى العفو خير من ان يخطى فى العقوبه"۔

ترجمہ: اور حضرت عائشہ راوی ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان ملزم کے لیے بچاؤ کا ذرا بھی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام حاکم قاضی منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

خلاصۂ بحث:

(۱) موجودہ دور میں حالات اور عوارضات کو مد نظر رکھتے ہوئے حدود پر نظر ثانی ضروری ہی۔ نہیں بلکہ امور واجبہ میں سے ہے۔

(۲) یہ نظر ثانی صرف حدود پر ہی ضروری نہیں بلکہ تعزیرات پر بھی ہونی چاہیے۔

(۳) سائینس اور ٹیکنالوجی کو ایک خاص حد تک مقام اعتبار دیا جانا چاہیے۔

(۴) حدود اور تعزیرات کیساتھ ساتھ مقاصد حدود اور مقاصد تعزیرات پر بھی بحث امور لازمہ میں سے ہونی چاہیے۔

(۵) مقاصد حدود اگر واضح ہو جائیں تو پھر جرائم کے کنٹرول پر دور جدید میں ذرائع ابلاغ کے کردار اور اسکے محدودات کا تعین بھی ضروری ہے۔

(۶) شریعت کا مقصد صرف سزا دینا نہیں ہے اس لئے کہ خون جیسے جرم میں بھی شریعت نے مقتول کے ورثاء کو اختیارات دیئے ہیں۔

(۷) حدود کے نفاذ میں اجتماعی اور انفرادی دونوں عوارضات کا اعتبار ہونا چاہیے۔

(۸) حدود کے نفاذ میں تاخیر باعتبار حالات کے بھی ہو سکتی ہے۔

(۹) عارضی عارض بھی کبھی مستلزم ہو گا حد کے دائمی سقوط کو اور اس صورت میں رجوع تعزیر کی طرف ہی ہو گا۔

(۱۰) ماعزؓ اپنے گناہ پر اس لیے بہت شرمندہ ہیں کہ وہ اس گناہ کے عادی نہ تھے بلکہ بنا بر بشریت ان سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا۔

(۱۱) اصل گناہ کے بعد توبہ ہے ایسے مجرم کے لیے جو توبہ کا ارادہ رکھتا ہو اور غیر عادی ہو۔ اس لیے کہ آپ ﷺ سے جب ماعز کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب ان کو سنگسار کیا جا رہا تھا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"هلا تركتموه لعله ، ان يتوب فيتوب الله عليه** کہ تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لیتے اور اللہ تعالی ان کی توبہ قبول کر کے سنگساری کے بغیر ہی اس کے گناہ معاف کر دیتے۔

(۱۲) گناہ کے بعد اصل نفاذ حد نہیں ہے بلکہ پردہ پوشی ہے اگر گناہ جانبین کی رضامندی سے ہو اور وہ گناہ ظاہر بھی نہ ہوا ہو۔ لیکن اگر گناہ ظاہر ہو جائے تو پھر حد فرع ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ مصباح اللغات قدیمی کتب خانہ

۲۔ سورۃالطلاق آیت نمبر ۱

۳۔ الحدیث ، مشکوۃ ص ۲٤۱

۴۔ صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۸

۵۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب لا نکاح الا بولی، دارقطنی، کتاب النکاح ج ۲ صفحہ۳۸۱،مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۱۶۸، کنزالعمال ج ۱۶ صفحہ ۵۲۹، بطریق عمر بن الخطاب

۶۔ اعلاءالسنن جلد۱۱،صفحہ ۶۶۷ ،مولانا ظفر احمد عثمانی،طبع ثالث۱۴۱۵ھ،ادارۃ القرآن کراچی

۷۔ مرقاۃ ص۱۵۱ ج ۷

۸۔ اعلاءالسنن جلد۱۱،صفحہ ۶۹۰ ،۶۹۱، مولانا ظفر احمد عثمانی،طبع ثالث۱۴۱۵ھ، ادارۃالقرآن کراچی

۹۔ کتاب المبسوط، جلد نمبر۹ صفحہ۱۴۰، لشمس الدین سرخسی،دارالمعرفۃ بیروت۔ لبنان

۱۰۔ الحدود تندرء بالشبھات

۱۱۔ متفق علیہ بحوالہ مشکوۃ شریف ص۳۱۴

۱۲۔ المغنی والشرح الکبیر ص ۲۶۷ جلد۱۰

۱۳۔ المغنی والشرح الکبیر ص ۲۶۷ جلد ۱۰

۱۴۔ المغنی والشرح الکبیر ص ۲۶۷ جلد ۱۰

۱۵۔ بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۳۱۰

۱۶۔ رواہ ابوداود بحوالہ مشکوۃ ص ۳۱۱

۱۷۔ رواۃ الترمذی بحوالہ مشکوۃ ص ۳۱۱